کی گئی۔ فدک فاطمہ غصب کیا گیا، اہل بیت کی بے حرمتی کی گئی، سیدہ فاطمہؓ اور حضرت عمرؓ نے آپس میں ہاتھا پائی کی حتیٰ کہ آپ کا حمل محترم ساقط ہو گیا، دولت کدہ سیدہؓ کو جلایا، صاحبزادی ام کلثوم جگر گوشہ سیدہ فاطمہؓ زبردستی چھین لی گئی —— خود جناب امیر کے گلے میں رسی ڈال کر بسیار خرابی زبردستی بیعت لی گئی اور انہیں حق خلافت سے محروم کیا گیا —— اس قسم کے صدہا دلفگار اور دلخراش واقعات شیعوں کے مفروضہ مشکل کشا کے سامنے رونما ہوئے جو باوجود شجاعت، طاقت و بہادری کے خاموش رہے اور حسرت بھری نظروں سے سب کچھ دیکھتے رہے لیکن ایک لفظ بھی زبانِ حقیقت ترجمان سے نہ نکل سکا۔ یہاں تک کہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی اس مہر سکوت کو نہ توڑا اور چپ شاہی کا روزہ برقرار رکھا، تو ازراہِ انصاف بتائیے کہ ایسا شخص جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا والی ہو، وصی ہو، نائب ہو، داماد ہو، وہ اپنے زمانۂ سلطنت میں بھی احکام قرآنی جاری نہ کر سکے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور رائج نہ کر سکے بلکہ اس کی حدود سلطنت میں، اس کی فرمانروائی میں بدعات و محرمات کی کثرت ہو، ظلم و ستم کا دور دورہ ہو، حلال چیز حرام اور حرام چیز حلال بنائی جا رہی ہو۔ زناکاری اور بدکاری کا بازار گرم ہو، منکوحہ عورتیں چھینی جا رہی ہوں، حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال کئے جا رہے ہوں۔ تو کیا ایسا شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے؟ —— صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ سے منسوب یہ داستانیں محض من گھڑت اور

(بقیہ حاشیہ) فیصلے کئے گئے ہیں، ان کو رد کر دوں، جو عورتیں لوگوں کے پاس ناجائز ہیں، ان کو ان کے اصلی شوہروں کے حوالے کر دوں، لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کر دوں، وظائف کے رجسٹر مٹا دوں اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو برابر برابر دیتے تھے، اسی طرح میں بھی دوں، موزوں پر مسح حرام قرار دوں —— اور اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ رمضان المبارک میں سوائے فرضوں کے اور کسی نماز کی جماعت نہ کیا کریں کہ یہ بدعت ہے، تو میرے ہی لشکر کے بعض آدمیوں نے، جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے مرتے ہیں، آپس میں شور مچایا کہ "اے اہل اسلام دیکھو، سنتِ عمرؓ کو بدلا جا رہا ہے، یہ شخص ہم کو رمضان کے مہینے میں نفل نماز کے پڑھنے سے منع کرتا ہے۔" وغیرہ وغیرہ

اور بے بنیاد ہیں ۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ اگر شیرِ خدا علی المرتضیٰ رض کے سامنے بدعات و محرمات کا ارتکاب ہوتا تو آپ یہ سب کچھ خاموشی سے نہ برداشت کر لیتے ، آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کے "آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر" ہونے کی شہادت خود خداوند قدوس دے رہا ہے ——— یہ لوگ صحابۂ رسول صلعم تھے اور اصحاب ثلاثہ (صدیق اکبر رض، عمر فاروق رض اور عثمان غنی رض) ان میں سرِ فہرست تھے ۔

پس تمام کے تمام صحابہ کرام رض ، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کے مصداق ہیں :

"اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم"

کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت یافتگان میں تمہارا شمار ہوگا اور فلاحِ دارین تمہارا مقدر ہوگی "

کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو آسمانِ علم و حکمت ، پیامبرِ رشد و ہدایت ، نمونۂ اعمالِ صالح ، مظاہر جمال و جلالِ مصطفےٰ ، شاہکار رسالت مآب اور خیر امت ہونے کا شرف و مرتبہ حاصل ہؤا ہے ——— جنہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا خطاب ملا اور جو پہاڑوں کی بلندیوں ، سمندروں کی گہرائیوں ، صحراؤں کی وسعتوں ، سنسان جنگلوں اور خشک جزیروں کو انوارِ اسلام سے چمکا کر "تامرون بالمعروف" اور "تنہون عن المنکر" کے سچے اور صحیح مصداق ٹھہرے ۔

مولانا ابوسلمان شاہجہانپوری

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور عالم دین تھے ۔ ان کی شہرت پاک و ہند سے گذر کر پورے عالم اسلام تک پہنچ چکی تھی ۔ ان کا تبحر علمی اور فضائل و کمالات اسلامی علوم و فنون اور نظر و مطالعہ کے کسی ایک دائرے میں محدود نہ تھے لیکن کتاب و سنت کی تدریس اور تعلیم سے ان کا شغف غیر معمولی تھا ۔ اسلاف کے مقابلہ میں ان کا شمار اگرچہ اخلاف میں ہوا اور ترتیب زمانی میں انہوں نے جگہ سب سے آخر میں پائی ۔ لیکن فضائل علمی اور محاسن سیرت کی ایک ایسی نادر روزگار شخصیت تھے کہ اگر پہلے آتے تو صدر نشین بزم علمائے سلف ہوتے ۔

مولانا محمد اسماعیل مرحوم ۱۹۰۱ء میں گوجرانوالہ کی تحصیل وزیرآباد کے ایک گاؤں "ڈھونی کے" میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام محمد ابراہیم تھا جو ایک متقی، عالم دین اور اپنے وقت کے اعلیٰ پائے کے خوشنویس تھے ۔ تعلیم کی ابتدا والد ماجد کی نگرانی میں کی ۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو انہیں حافظ عبدالمنان صاحب کے مدرسہ تجوید العلوم وزیرآباد میں داخل کر دیا گیا ۔ حضرت حافظ صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے محدث تھے ۔ حافظ صاحب کی خدمت میں تحصیل حدیث کے بعد انہوں نے سیالکوٹ، امرتسر اور دہلی کا سفر کیا اور مشہور علمائے حدیث کی خدمت میں رہ کر فن حدیث میں تبحر حاصل کیا ۔

۱۹۲۱ء سے انہوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا ۔ گوجرانوالہ کو انہوں نے اپنی تبلیغی و تدریسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور کامل پچاس برس تک وہ نہایت انہماک، دلسوزی اور جانکاہی سے دینی

ملت کی خدمات میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ملک میں بڑے بڑے انقلاب آئے، انہیں مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑا اور عہدہ و مناصب کی ترغیب کی آزمائشوں سے گذرنا پڑا لیکن نہ مصائب ان کو ہراساں کر سکے اور نہ کوئی ترغیب ان کے عزم کو متزلزل کر سکی۔ انہوں نے خدمت دینی کا جو عہد خدا سے باندھا تھا، اس کے تقدس پر آنچ نہ آنے دی۔

ان کی خدمت کا کوئی ایک دائرہ اور کوئی ایک بندھا ٹکا اسلوب نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وعمل کے بے شمار خصائص وکمالات سے نوازا تھا۔ وہ تمام علوم دینی و معارفِ کتب وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے۔ سیاست میں صاحب وفکر رائے تھے، تحریر و تقریر میں انہیں یکساں کمال حاصل تھا۔ وہ بے پناہ علمی اور تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

انہوں نے جس شوق وانہماک سے جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے کا حصہ لیا، اسی دلسوزی کے ساتھ تمام مسلمانوں کی اصلاح وتعلیم میں دلچسپی لی اور اس جذبۂ صادق کے ساتھ تحریک آزادی اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں اپنا فرض ادا کیا۔ وہ جہاں اور جس دائرے میں رہے، بلند وارجمند رہے، جن افراد اور تحریکوں سے وابستہ ہوئے علم وبصیرت کے ساتھ نہ صرف ان کا ساتھ دیا بلکہ راہنمائی کی۔ ان کا دستِ تعاون پورے اخلاص کے ساتھ ہر کسی کی طرف بڑھا لیکن تقلید کی آلودگی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ ان کے شاہین فکر کے لئے ان پستیوں میں بسیرا کرنا باعثِ ننگ تھا، ان کی نظر و بصیرت ہمیشہ تحقیق واجتہاد کے جہان تازہ کی تلاش میں رہی۔ استخلاص وطن کی جدوجہد میں انہوں نے علمائے حق کے اس گروہ کا ساتھ دیا جو اپنی حق پرستی اور حریت نوازی میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے جن کا تعلق مختلف واسطوں اور سلسلوں سے حضرت اسماعیل شہیدؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، اور حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ملتا ہے۔ جمعیت طلبائے ہند، مجلسِ خلافت، مجلسِ احرارِ اسلام وغیرہ ان کے سیاسی مساعی کے مختلف میدان تھے۔

۱۹۲۰ء میں تحریک عدم تعاون سے لے کر ۱۹۵۲ء کی قادیانی تحریک تک تمام تحریکات میں حصہ لیا۔ وہ اپنی حریت نوازی اور جرم حق گوئی میں متعدد بار قید وبند کے مراحل سے گزر کر سنتِ یوسفی پر بھی عمل پیرا ہو چکے تھے۔

انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت سے سینکڑوں اصحاب علم و عمل تیار کر دیئے جنہوں نے ادب و شعر، تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور علمی و عملی زندگی کے مختلف گوشوں میں شہرت حاصل کی۔ ان کے تلامذہ میں مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، رشید اختر ندوی پروفیسر غلام احمد حریری، مولانا قاضی مقبول احمد، مولانا ابویحییٰ امام خان، مولانا محمد اسماعیل ذبیح، حکیم عبدالرحمان خان نفرؔ، مولانا محمد ابراہیم خلیلؔ، مولانا عبدالرحمٰن واصل، مولانا محمد عبداللہ، مولانا معین الدین لکھنوی (اوکاڑوی) مولانا نور حسین گرجاکھی، مولانا حافظ عبدالمنان، مولانا بشیر الرحمٰن، مولانا محمد الیاس ندوی، سید عبدالغنی شاہ کاموکنی، شیخ عبدالعزیز نجدی وغیرہم اہل علم کے علاوہ خود آپ کے صاحبزادگان گرامی پروفیسر مولانا محمد صاحب، حکیم محمود صاحب اور محمد داؤد صاحب جو آپ کی اسلامی تعلیم و تربیت کا نمونہ ہیں، محتاج تعارف نہیں۔

مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ نے اپنے پیچھے صالح و سعید اولاد صلبی کے علاوہ بصورت تصانیف و مضمون، اولاد معنوی بھی اپنی یادگار چھوڑی ہے جو لوگوں کی اصلاح اور انکی ہدایت کا باعث ہوگی۔ مختلف علمی مباحث و موضوعات پر بعض دینی مسائل کی تشریح میں اور بعض غیر علمی خیالات کی تردید میں انہوں نے بہت سے بلند پایہ تحقیقی مقالات تحریر فرمائے جن میں سے بعض کتابچوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ چند یہ ہیں:

اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ، مسئلہ حیات النبی، جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث، حدیث کی تشریعی حیثیت، مقام حدیث قرآن کی روشنی میں: مسئلہ زیارتِ قبور، تحریک اہل حدیث اور اس کی خدمات، عید الفطر اور اس کے احکام و مسائل، تحریک آزادیٔ فکر، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تجدیدی مساعی (مسلک اہل حدیث پر مضامین کا مجموعہ) عید عہد نبوت میں، حجیت حدیث کے موضوع پر ایک اور معرکۃ الآرار مضمون کے علاوہ تراجم و شروح میں جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ (تقریباً نصف) سبعہ معلقہ کا ترجمہ مع مقدمہ و تشریحات وغیرہ آپ کے آثار علمی ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ نے جماعت اہل حدیث کی تنظیم، اس کی شاخوں کے قیام، مدارس دینیہ کے اجراء، مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں تنہا جو کارنامہ انجام دیا، وہ جماعتوں

کی منظم کوششوں سے کرنے کا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ میں کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ گوجرانوالہ میں جب انہوں نے درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت کے میدان میں قدم رکھا تو بقول ایک فاضل مضمون نگار کے وہاں صرف سات اہلحدیث تھے اور ایک اہلحدیث مسجد تھی۔ اور نصف صدی کے بعد جب انہوں نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی تو ۵۴ ویں مسجد زیرِ تعمیر تھی۔

مولانا محمد اسماعیل نے اہل حدیث کو منظم کیا، جماعت کی تشکیل کی، مولانا داؤد غزنویؒ کو جماعت کا امیر مقرر کیا گیا اور مولانا علیہ الرحمۃ کو اس کی نظامت سپرد ہوئی۔ مولانا غزنویؒ کے انتقال کے بعد جماعت کی امارت کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر آگئی۔ صبح کو درسِ قرآن حکیم جمعہ کو خطابت، عام دینی و سیاسی مجامع میں تقاریر، کانفرنسوں کا انعقاد، مدرسہ میں درس و تدریس اور جماعتی کاموں کے مسلسل سفر سے، پھر ہر حالت میں مطالعہ و تحریر کا کبھی نہ ٹوٹنے والا سلسلہ زندگی کے ساتھ تھا، ان کی زندگی کی مصروفیت اور شب و روز کے معمولات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

مولانا مرحوم نہایت مخلص، بے ریا، متواضع، خلیق، سادہ دل، نیک نفس، متقی، پرہیزگار، شہرت و ناموری سے گریزاں اور عہدہ و منصب سے بے نیاز زاہد، شب زندہ دار، تمسک بالکتاب اور عمل بالحدیث کے نہایت شائق اور فکر و نظر اور علم و عمل میں اسلاف کرام کا کامل نمونہ تھے۔

بالآخر یہ آفتابِ علم و فضل نصف صدی تک اپنی نورانی کرنوں سے دنیائے علم و عمل کو روشن کرتے اور عالم انسانی کو اپنی فکر و نظر سے راہِ عمل دکھاتے اور ہدایت و ارشاد کے بعد ۲۱ر فروری ۱۹۶۸ء کو غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور سے مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ کو خصوصی تعلق تھا۔ وہ آپ کے علم و فضل، تدبر و بصیرت اور فکر و نظر کے بہت معترف تھے۔ مولانا آزاد مرحوم پر جب بھی کسی طرف سے کوئی حملہ ہوا، جماعت اہل حدیث کے ترجمان "الاعتصام" نے ان کے دفاع کا فریضہ ادا کیا اور تلبیس و تلبیس کا پردہ چاک کرکے حق کو واضح اور آشکارا کردیا۔